تحریر: ڈاکٹر ایم. کے برمانسین
ترجمہ: حافظ مقصود احمد ایم۔اے

مغربی دُنیا میں امام ولی اللہ دہلویؒ کا مُطالعہ

"الشریعۃ" کے مارچ ۹۰ء کے شمارہ میں امریکہ کی ایک نومسلم خاتون ڈاکٹر مجاہدہ (سابق ایم۔ کے برمانسین) کی گوجرانوالہ آمد کے موقع پر ان کا مختصر تعارف شائع کیا گیا تھا۔ موصوفہ کیلی فورنیا کی سن ڈیگو اسٹیٹ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر کام کر رہی ہیں۔ ان کے متعدد مقالات و مضامین حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امریکی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں اور وہ "حجۃ اللہ البالغۃ" کا انگلش میں ترجمہ بھی کر رہی ہیں۔ زیر نظر مضمون ان کے ایک مقالہ کا ترجمہ ہے جسے اردو کے قالب میں ہمارے محترم ساتھی جناب حافظ مقصود احمد ایم۔ اے نے ڈھالا ہے مضمون کے تمام مندرجات سے اتفاق ضروری نہیں ہے بالخصوص حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے بارے میں مضمون نگار کے تاثرات ہمارے نزدیک ان سطحی معلومات پر مبنی ہیں جو مولانا سندھیؒ پر صحیح تحقیقی کام نہ ہونے کی وجہ سے عام ہو چکی ہیں تاہم اس مضمون سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مغربی علمی حلقوں میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت و فلسفہ کے تعارف کی سطح کیا ہے اور حکمت ولی اللّٰہی کو ان حلقوں میں پوری طرح متعارف کرانے کے عملی تقاضے آج کے دور میں کس طرح پورے کیے جا سکتے ہیں۔ (ادارہ)

زیر نظر مقالہ میں شاہ ولی اللہؒ پر لکھی گئی بنیادی اور ثانوی حیثیت کی کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مقالے میں میں نے عمومی طور پر اپنی ذاتی تحقیق پر انحصار کیا ہے۔ ماسوا ان عنوانات کے جو پروفیسر جے۔ ایم۔ ایس۔ بالجون (Prof. J. M. S. BALJON)

نے شاہ صاحب کے متعلق اپنی حال ہی میں تصنیف کردہ کتاب "Religion and Thought of Shah Wali Allah" میں بیان کیے ہیں۔

افسوس ہے کہ مشرقی زبانوں میں لکھی ہوئی کتابیں اس میں جگہ نہ پا سکیں اور ان کا اس اہم کتاب میں کوئی حوالہ نہیں ہے۔

شاہ صاحب کے بارے میں مشرق اور مغرب میں زیادہ دلچسپی ۱۹۴۰ء کے بعد شروع ہوئی۔ ۱۹۴۱ء میں ندوۃ العلماء (لکھنو) نے ایک خاص نمبر شاہ صاحب کے متعلق شائع کیا اس میں خاص مقالے مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے لکھے ہوئے تھے۔ مولانا سندھیؒ (ف ۱۹۴۱ء) شاہ صاحب کے اردو زبان میں سب سے بڑے اور با اثر شارح اور ترجمان تھے۔ مولانا سندھیؒ جو خود بھی ایک دلچسپ شخصیت تھے: بچپن میں سکھ مذہب ترک کر کے مسلمان ہوئے تھے سوشلزم کے فعال داعی بن گئے۔ مولانا سندھیؒ نے اپنی اسلامی اور اصلاحی تحریک کی بنیاد شاہ صاحب کے افکار پر رکھی۔ ان کی لکھی ہوئی دو کتابیں [شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک (۱۹۷۰) اور شاہ ولی اللہؒ اور ان کا فلسفہ (۱۹۴۶)] ہیں اول الذکر کتاب میں شاہ صاحب کو ایک ایسی تحریک کا بانی اور موسس ظاہر کیا گیا ہے جس کی تکمیل بعد میں ان کی حقیقی اور معنوی اولاد نے کی۔ تحریک کا مقصد سیاسی اور سماجی اصلاح تھا۔ شاہ صاحب کی تحریک کی جو سوشلسٹ اور انقلابی تعبیر اور تشریح مولانا سندھیؒ نے کی وہ بعد میں آنے والے اکثر اہلِ علم پر بہت اثر انداز ہوئی۔

برصغیر کے اہلِ علم نے خاص طور پر اس کا اثر لیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوشلسٹ اور انقلابی افکار جو شاہ صاحب کی کتب سے کشید کئے گئے ہیں وہ مولانا سندھیؒ کے اپنے نظریات ہیں۔ شاہ صاحب نے سیاسیات کے باب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اکثر و بیشتر علمی نوعیت کا ہے۔

پروفیسر کے۔ اے نظامی نے "شاہ صاحب کے سیاسی مکتوبات" (مطبوعہ ۱۹۵۶ء) کتاب لکھی اس میں وہ خطوط درج ہیں جو شاہ صاحب نے اپنے وقت کے مشاہیر کو لکھے۔ ان میں زیادہ اہم وہ ہیں جو انہوں نے احمد شاہ درانی کو لکھے۔ اس میں اس سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ دہلی پر قبضہ کر کے اس سُنّی ریاست کی پشت پناہی کرے۔ یہ خیال کہ شاہ صاحب اپنے دور میں عملاً سیاست میں دخیل تھے تو "شاہ صاحب اور شیخ احمد سرہندی" میں عرفان حبیب نے اس کی مکمل تردید کی ہے۔ اس نظریئے (کہ یہ بزرگ عملی سیاست میں حصہ لیتے تھے) کی تردید

یوحنان فریڈ بین نے بھی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ شیخ سرہندی کے افکار کا مطالعہ کرتے ہوئے لوگ ان کے تصوف کے نظریات کو یکسر بھول جاتے ہیں۔ کہاں ان جیسا صوفی اور کہاں ان سے منسوب کردہ سیاسی افکار۔ بایں ہمہ شاہ صاحب کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔ ان کا سیاست میں دخیل ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ سیاسی اثر کس نوعیت کا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ ولی اللہؒ کے نظریات پر تصوف کی چھاپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک ایک نظریاتی ریاست کا ڈھانچہ ہوگا۔ جو ایک اسلامی ریاست کا ہونا چاہیئے اور اس کے حکمرانوں کا کردار وہ ہونا چاہیئے جو انہوں نے اپنے خطوط میں بیان کیا ہے۔ تاہم ان کے نظریات کا بنیادی نکتہ اسلام کی ہمہ گیر قوت اسلامی سوسائٹی کی مرکزیت اور دور حاضرہ میں اس کی ترقی کی راہوں کی نشاندہی ہے۔ اس لیے ان کے خیالات کی ترویج و تشریح اور ان پر عمل کرنا دور حاضر میں پہلے سے کہیں زیادہ بڑی ضرورت ہے۔ اگرچہ ان کے خیالات کی عملی ترجمانی ان کے فوراً بعد کی گئی پھر بھی دور حاضر کے مسلمانوں کو یکجا کرنے میں ان کے نظریات بہت ممد ثابت ہو سکتے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے خیالات کے جو مختلف مطالب بیان کئے جاتے ہیں وہ یا تو سمجھنے والوں کا قصور ہے یا ان کے کلام کی انتہاء گہرائی ہے (کہ گوہر مطلب تلاش کرنا مشکل ہے)۔ جیکو نس برک نے اس سلسلہ میں جو مقالہ لکھا ہے اس میں اس نے بتایا ہے کہ کس طرح بعض علماء مثلاً جلیانی اور رحمان نے انہیں دورِ جدید کا امام مانا ہے اور بعض (مثلاً رضوی) انہیں قدامت پسند اور ابن تیمیہ اور ابن خلدون کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ اوّل الذکر کی مثال میں برک، شاہ صاحب کا نظریہ مصالح کلیہ فقہ مالکی سے ماخوذ بتاتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ فقہ مالکی کی اصطلاح کی نسبت شاہ صاحب کا نظریہ مصالح کلیۃ زیادہ اور وسیع دائرہ کار رکھتا ہے۔ شاہ صاحب کے نظریات میں تدریجی کش مکش (۹) کی وجہ ابوالاعلیٰ مودودی یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے پہل جب انہوں نے قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا تو یہ ان کا شخصی اجتہاد تھا۔ پھر اس کے بعد عامۃ الناس کے شدید ردِّ عمل کے طور پر واپس اپنے قدیم نظریہ (تقلید) کی طرف آنے پر مجبور ہو گئے۔

اب ہم پھر مولانا سندھیؒ کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہ وہ شخصیت ہیں جن کا فلسفہ شاہ ولی اللہؒ کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ انہوں نے مذکورہ بالا دو مقالوں کے علاوہ اور بہت سے مضامین اس موضوع پر لکھے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ شرح

حجۃ اللہ البالغہ" لکھی۔ اور بہت سے مشاہیر بشمول جی این جلبانی اور لے ۔ جے ہالے پوتا کو علوم ولی اللہی کی تعلیم دی۔

ہالے پوتا نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا۔ اس کے لیے انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ کو موضوع مقالہ بنایا (۱۹۴۷)۔ ان کی تحقیقی تصنیف "فلاسفی آف شاہ ولی اللہ" ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ دراصل ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے کی تلخیص ہے۔

۱۹۶۱ء میں سندھ میں محکمہ اوقاف کے تحت شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ ہالے پوتا اس کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اس ادارے کے تحت شاہ صاحب کی کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی۔ ان میں تفہیمات الٰہیہ (دو جلدیں) بدور البازغہ، لمحات، سطعات، اور ہمعات اصلی عربی یا فارسی زبان میں شائع ہوئیں۔ اس ادارے کے مدیر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے ان کتب پر قابلِ قدر حواشی بھی لکھے۔ اکیڈمی سے ایک ماہ نامہ "الرحیم" اردو اور سندھی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ اس میں شاہ صاحب کے ان مقالوں کا اردو میں ترجمہ شائع ہوتا ہے جو مختصر مگر اب تک نایاب تھے۔ اسی ادارے کے تحت جی این جلبانی کے الخیر الکثیر (۱۹۷۴) سطعات (۱۹۷۰ء) لمعات (۱۹۷۰ء) اور تاویل الاحادیث (۱۹۷۲ء) جیسی کتب کے انگریزی میں تراجم شائع ہوئے اگرچہ یہ تراجم انگریزی خوان طبقے کے لیے بہت مفید ہیں۔ لیکن ان میں شاہ صاحب کی مخصوص اصطلاحات اور ان کی مخصوص اختراعات کی کوئی تشریح موجود نہیں۔ ڈاکٹر جلبانی نے شاہ صاحب کی تعلیمات کا خلاصہ ٹیچنگ آف شاہ ولی اللہ (۱۹۷۱ء) بھی تحریر کیا۔ جس میں شاہ صاحب کی کتب کے حوالے مل سکتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی وضاحتی نوٹ بہت کم ہیں اسی مصنف نے "دی لائف آف شاہ ولی اللہ" (۱۹۷۸ء) لکھی۔ حال ہی میں جلبانی کے بہت سے تراجم کو نئے انداز میں دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈیوڈ پینیٹ میری اور ڈی بی فرائی نے بہت مدد کی ہے۔ اور ان کی کتب کو اکٹیگون پریس میں تصوف کے ذیل میں چھاپا گیا ہے انگریزی ترجمے میں اگرچہ تسلسل اور روانی ہے لیکن بعض اصطلاحات غیر واضح معلوم ہوتی ہیں۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو اس میدان میں نو وارد ہیں۔ شاہ صاحب کے صوفیانہ افکار کو سمجھنے کے لیے میر ولی الدین کی کتاب Contemplative Disciplines of Sufism (۱۹۸۰ء) قابلِ مراجعت ہے۔ اس کتاب میں ہمعات کے تراجم سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے راقم السطور نے خود بھی افکار ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) پر ایک مقالہ

A Sufi understanding of Person and self Transformation. Shah Wali Allah of Delhi's concept of subtle spiritual centres;
Journal of the near eastern studies لکھا ہے جو کہ جنوری ۱۹۸۸ کے
میں شائع ہوا ہے اس شمارے میں شاہ صاحب کے لطائف کے بارے میں سیر حاصل بحث کی
گئی ہے اس مقالے کی بنیاد شاہ صاحب کی کتاب الطاف القدس ہے۔

شاہ صاحب کی سوانح پر لکھی گئی معیاری کتاب مولانا رحیم بخش کی تصنیف "حیات ولی" ہے
(۱۹۷۲) جو کہ عمومی طور پر انفاس العارفین سے ماخوذ ہے۔ شاہ صاحب نے اس میں اپنے آباؤاجداد
اور اساتذہ کا تذکرہ خاص طور پر کیا ہے "حیات ولی" میں شاہ صاحب کے ابناء اور ابناء الابناء کا
بھی ذکر ہے میرے اس مقالے میں ان کا ذکر آ رہا ہے۔

۱۹۵۹ء میں میک گل کے ادارے میں ایک ہندوستانی سکالر صبیح احمد کمال کا مقالہ
The concept of human Nature in the Hujjat Allah as Baligha
شائع کیا گیا۔ اس مقالے نے مزید مضامین کے لیے راستہ ہموار کیا۔ مصنف کی کتاب کے باب
Types of Islamic Thought (۱۹۰۸) میں شاہ صاحب کے
طریق پر بحث کی ہے۔ اس میں کمال نے خاص طور پر شاہ صاحب کے ارتفاقات کو موضوعِ بحث
بنایا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیا ان کا یہ نظریہ سلفِ صالحین کے افکار سے مطابقت رکھتا ہے
یا نہیں۔ شاہ صاحب کے ارتفاقات نے دور حاضر کے بہت سے اہلِ علم کی توجہ اپنی طرف
مبذول کرائی ہے۔

شاہ صاحب کی کتابوں میں اس اصطلاح کے معانی بالکل عجیب اور ان کے خود ساختہ
معلوم ہوتے ہیں۔ ارتفاق کا اصل مادہ رفق ہے۔ جس کا مطلب ہے سہل، رحیم، نرم باادب
اور معتمد۔ خلیل عبدالآل ارتفاقات کے معانی میں تدبیرات النافع یا بنی نوع انسان کی بہتری کی
کوئی بھی تدبیر کو شامل کرتا ہے۔

عبدالحمید ہالے پوتا کی ادارت میں چھپنے والی حجۃ اللہ البالغہ میں ارتفاقات کا مطلب
انسانی بہبود کا ہر طریقہ یا ادارہ ہے۔ عزیز احمد کے نزدیک ارتفاق انسانی تاریخ کے مختلف

ارتقائی ادوار کا نام ہے۔ جمیل احمد کمال ارتفاق کا مطلب تمدن اور اس کے حصول کے ذرائع اور فطری قوانین سمجھتا ہے جبکہ برق کے نزدیک جمع کے صیغے (ارتفاقات) میں اسباب ذرائع اور ان کے استعمالات کی گنجائش ہے۔ وہ ارتفاقات کو مصالح عامہ کے ہم معنی سمجھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا لفظ ارتفاقات حوالہ بالا کے تمام احوال کو حاوی ہے اور انگریزی زبان میں اسکا مترادف ملنا مشکل ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک انسانی معاشرہ چار قسم کے ارتفاقات کے تحت ترقی پا سکتا ہے۔ یہ درجہ بدرجہ قانون فطرت پر عمل پیرا ہونا عائلی اور معاشرتی زندگی میں ربط باہمی جس سے ایک مقامی اور سیاسی شعور بیدار ہو اور یہ شعور قانونی شکل اختیار کرے اور پھر یہ قانون بین الاقوامی طور پر مؤثر ہو شاہ صاحب اسے اسلامی خلافت کا نام دیتے ہیں ولی اللہی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے اس تردد میں ہیں کہ آیا ان کا یہ نظریہ خالصتاً ان کی اپنی اختراع ہے یا ابن خلدون سے مستعار لیا ہے حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تمام تعلیمات میں ارتفاقات کے نظریے کو ارتقائی طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس میں تصوف کے راستے اُن افکار کو معاشرے میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو مشکوٰۃ نبوت سے مستفید ہیں اس دائرہ کار میں رہتے ہوئے وہ بعض دفعہ مخصوص لوگوں، مخصوص نظریات اور مخصوص حالات پر تنقید کرتے ہیں۔ لیکن ان کا مرکزی نقطہ اصلاح عامہ ہی ہوتا ہے۔ ایک مثال اور حقیقی نمونے میں فرق وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حقیقی نمونہ اگر سنت الٰہی کے مطابق ڈھال دیا جائے تو وہ مثال بن جائے گا حجۃ اللہ البالغہ جیسا کہ مثال کو واضح کیا گیا ہے الجھے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کے لیے جو زبان استعمال کی گئی ہے اس میں نادر تشبیہات مخصوص زبان اور حقائق کا استعمال ناگزیر تھا جبکہ برق لکھتا ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے خیالات کی وضاحت کے لیے تشبیہ، استعارہ مجاز اور حقیقت کا استعمال عام کیا ہے [illegible] کے افکار میں بھی اس قسم کے الفاظ استعمال [illegible] کمال کے خیال میں شاہ صاحب کے افکار ارتقائی [illegible] کو ارتقائی تصوف کہا جا سکتا ہے [illegible] کے زبردست حامی ہیں [illegible] میں جنہوں نے [illegible] مشاہیر ہو گزرے ہیں جو [illegible] ان تمام اصناف فقہ حدیث

قرآن، سیاست، اخلاقیات وغیرہ) کو باہم مربوط بھی ثابت کرتا ہو یہ تطبیق خالصتاً انہیں کا حصہ ہے۔ فضل الرحمٰن کے نزدیک تطبیق کی سعادت صرف شاہ صاحب کو حاصل نصیب ہوئی اور انہی کی تعلیمات سے معلوم ہوا کہ اسلام نے ایک ایسی لچک موجود ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات میں لوگوں کے لیے راہنما بن سکتا ہے۔

ایک یورپی مصنف جے ایم ایس بلجان (لیڈن یونیورسٹی) نے شاہ صاحب کی تعلیمات پر بہت مفید کام کیا ہے اس نے ان کی کتاب تاویل الاحادیث کا ملخص ترجمہ شائع کیا ہے (۱۹۷۳ء) اسی مصنف نے دو مقالے شاہ صاحب کے نظریہ الہام اور ان کے افکار پر لکھے ہیں اس کی کتاب "psychology as applied and wali Allah's Thought" شاہ صاحب کے لطائف کی وضاحت میں ہے اس میں لطیفہ نفس اور اس کا الہام سے تعلق واضح کیا گیا ہے۔ اس کے دوسرے مقالے مثلاً "شاہ ولی اللہ" کا فلسفہ اخلاق" یا "شاہ ولی اللہ" کی تخلیق کے بارے میں اصطلاحات سے شاہ ولی اللہؒ کے خیالات کا بہت حد تک پتہ چلتا ہے، بلجون نے بڑی تحقیق کے بعد ایک کتاب "شاہ ولی اللہ کا مزید اور افکار" لکھی ہے (لیڈن) اس کتاب میں بڑی فصاحت سے شاہ صاحب کے افکار کو مرتب کیا گیا ہے۔

ایک تفصیلی کتاب" خدا کائنات، اسلامی تصویر حیات میں انسان اور شاہ ولی اللہ کی اس بارے میں مساعی" مصر کے ایک محقق خلیل عبد الحمید عبد الآل کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ کتاب شاہ ولی اللہ کے فلسفہ تصوف کے علاوہ اس کے مذہبی اذکار کے متعلق بھی سیر حاصل بحث کرتی ہے۔ اس کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے افکار نے برصغیر ہند و پاک پر کیا اثرات مرتب کیے۔

افسوس یہ ہے کہ اس کتاب کا کوئی حصہ بھی شائع نہ ہو سکا۔ شاہ صاحب کے افکار پر مبنی ایم کے برمان سین نے پی ایچ ڈی کا مقالہ شکاگو یونیورسٹی میں (۱۹۸۲ء) میں لکھا۔ (اسلامک سٹڈیز کی ذیل بعنوان" کائنات اور اٹھارہویں صدی کے افکار میں آویزش اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ) میں شاہ صاحب کی تصنیفات میں ایک حقیقی اور مثالی معاشرے کی کش مکش کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی مصنف کے قلم سے حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ بھی عنقریب متوقع ہے، یہ کتاب کیمبرج یونیورسٹی میں اسلامک نیشلسٹ سوسائٹی کے زیر اہتمام

شائع ہو گی۔

حال ہی میں ایک کتاب "شاہ ولی اللہ اور اس کا عہد" ایس ایس رضوی نے لکھی ہے۔ اس میں شاہ صاحب کے افکار پر ارتقاء تاریخی طور پر واضح کیا گیا ہے اس میں دو ابواب صرف اس موضوع پر مختص ہیں کہ شاہ صاحب کے دینی اور سیاسی افکار کی نوعیت کیا تھی۔

رضوی کی کتاب پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ اس میں شاہ صاحب کی مثبت خدمات کی بجائے شیعوں کے رد میں جو باتیں انہوں نے کی ہیں ان کو زیادہ اُجاگر کیا گیا ہے اس کتاب کی اصل افادیت (جس کے لیے قاری کو دعوتِ مطالعہ دی جاتی ہے) یہ ہے کہ اس میں اٹھارہویں صدی کے سماجی اور تاریخی پس منظر کی ہمارے سامنے آتا ہے اور مزید برآں شاہ ولی اللہ کی کتاب "الفوز الکبیر" کے بہت سے حوالے جو انگریزی کی کسی اور کتاب میں نہیں ملتے اس میں پائے جاتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اسلامی لاء کو سمجھنے کے لیے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۱: عِقدُ الجِدُ از داؤد رہبر

۲: شاہ ولی اللہ (The Thinker of crisis) از ڈاکٹر فضل الرحمٰن

۳: شاہ ولی اللہ اور اجتہاد، از معین الدین خان

۴: اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ از ڈاکٹر مظہر بقا۔

اس میں اسلامی قانون کی مختلف اصطلاحات مثلاً اجتہاد، اجماع، رائے اور استدلال وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

۵: این میری شمل کے بہت سے مقالے مثلاً

Pain and grace, The rose and The rock, The golden chain of The sincere Muhammadans.

۶: پیٹر گران اور جان وال کا تازہ مقالہ

Hadith scholars and fasiqahs: An ulama Group in The 18 Th century Haramain and Their impact in The Islam world"

اٹھارہویں صدی کے تاریخی پس منظر کو پیش کرتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کی معیاری کتابیں بھی شاہ ولی اللہ کے افکار کا مسلمانانِ ہند پر اثر نمایاں طور پر بیان کرتی ہیں۔ عزیز احمد اور محمد اکرام کی کتابیں اس سلسلہ میں قابل غور ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے افکار کے بلاواسطہ اثرات جو بعد کے زمانہ پر مرتب ہوئے ان کا ذکر شاید ہی کسی کتاب میں ہو۔ تاہم باربرا مٹیکاف کی تصنیفات جس میں اس نے مدرسہ دیوبند اور صوفی علماء کے اثرات پر بحث کی ہے شاہ ولی اللہ کے افکار کو اصل محرک قرار دیا ہے۔ ایک مصنف محمود احمد برکاتی کا خیال اس کے بالکل برعکس ہے وہ کہتا ہے کہ چونکہ دیوبند کے ابتدائی دور میں شاہ صاحب کی کتابوں کو داخلِ نصاب نہیں کیا گیا تھا (اور بہت بعد ان کی کتابوں کو پذیرائی ہوئی) اس لیے یہ کہنا کہ دیوبند شاہ صاحب کے افکار کا نتیجہ تھا محل نظر ہے بہرحال شاہ صاحب کے فلسفۂ تصوف کا آخر ان کے بیٹے شاہ رفیع الدین اور ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہید کی کتب (مثلاً عبقات) میں پایا جاتا ہے۔ جیسے کہ پہلے بھی کہا گیا ہے عبدالآل کے مقالے میں اس کے شواہد ملتے ہیں کہ اسلامی ہند کی تاریخ اور اس کے مشاہیر مثلاً سید احمد خان ابوالکلام آزاد اور اقبال، شاہ صاحب کے افکار سے متاثر ہوئے۔

عبدالآل کے نزدیک سر سید احمد خان کا نیچری مذہب شاہ ولی اللہ کے افکار سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح اقبال کے صوفیانہ خیالات اور آزاد کے نظریہ دین اور شریعت میں فرق بھی شاہ صاحب کے افکار کا پرتو ہے۔ عیسائی مصنف ٹال کے نزدیک سر سید کے افکار شاہ صاحب کے اثرات کا نتیجہ ہے۔

موجودہ دور میں شاہ صاحب کے افکار کی نشاۃ ثانیہ پاکستان میں شروع ہو چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ سندھ میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے تحت شاہ صاحب پر بہت سی تصنیفات شائع ہو رہی ہیں۔ سرکاری اور نیم سرکاری ادارے اور ذاتی طور پر بھی شاہ صاحب کی تصنیفات کو شائع کیا جا رہا ہے مصوّی، مصفّی، ازالۃ الخفاء، قرۃ العینین، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف اور الطاف القدس شائع ہو چکی ہیں۔ دیگر اسلامی ممالک میں ان کے افکار کی اشاعت ہو رہی ہے۔ مصر کے جامعۃ الازہر میں حجۃ اللہ البالغہ داخل نصاب ہے۔ سلوڈان کے دینی مدارس میں بھی یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ ۱۹۵۲ء میں مصر میں حجۃ اللہ البالغہ کا بہترین ایڈیشن شائع ہوا اور پھر اس کی نقول وقفے وقفے سے شائع ہوتی رہتی ہیں۔ شاہ صاحب کی دیگر کتب میں

سے عقد الجید، الخیر الکثیر اور انصاف فی بیان سبب الاختلاف بھی مصر میں شائع ہو چکی ہیں ہندوستان میں شاہ ولی اللہ پر کام جاری ہے اور ان کے مذہب اور فلسفہ پر مضامین اور خطوط عنقریب تغلق آباد میں شائع ہونے والے ہیں۔ ملائیشیا میں بھی شاہ صاحب کے متعلق دلچسپی بڑھ رہی ہے اور ان کی کئی کتب کا ملائی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے افکار، قانون، مذہب اور فلسفہ کو حکمت اور سنت کے تحت سمجھنے میں بہت ممد ثابت ہو سکتے ہیں۔ فضل الرحمٰن اور الیس لے کمال دونوں حضرات شاہ صاحب کو الاشعری اور امام غزالی کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔

شاہ صاحب کی کتابیں بہت سے شعبہ جات میں راہنمائی کر رہی ہیں مثلاً تصوف اور قانون کا آپس میں تعلق اور مستشرقین کے اسلام کے بارے میں نظریے (جس کے متعلق برک نے بھی اپنے مقالے میں ذکر کیا ہے) میرا مقالہ "Mystical Paths and Authoritative Knowledge" شاہ صاحب کے صوفیانہ افکار کا تصوف میں مقام متعین کرنے کے متعلق ہے۔

شاہ ولی اللہ کے افکار ہمیں دوسرے مفکرین کے خیالات کو سمجھنے میں بھی معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ابن عربی کے ظاہری فقہ اور صوفیانہ افکار کا آپس میں ربط۔ اسی طرح شاہ صاحب کے ہمعصر مشاہیر کے افکار کا موازنہ شاہ صاحب کی کتابوں کے حوالے سے کیا جا سکتا ہے۔

[illegible] روح [illegible]

ایک ایسی روح ہے جس کو خدا کا بعض سمجھنا چاہیئے۔ علی بن حسین بن واقد مصنف "کتاب النظیر" وہاں موجود تھا اس نے جواب دیا کہ اس کلام کی مثل اللہ تعالےٰ سب مخلوقات کے حق میں یوں فرماتا ہے وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعًا منہ (سورہ جاثیہ : ۱۳) میں اگر روح کے معنی روح بعض منہ اور روح جزء منہ کے ہیں تو آپ کے قول کے موافق جمیعا منہ کے معنی بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں اور اب مخلوقات کو خدا کا بعض سمجھنا چاہیئے اور یہ غلط ہے بلکہ اس آیت کے معنی اس طرح ہیں" مسخر کر دیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی طرف سے ہیں۔ اور ایسے ہی روح منہ کے معنی یوں ہیں۔ روح کائن منہ یعنی روح اس کی طرف سے ہی یہ سن کر وہ پادری ایمان لے آیا۔

(ازالۃ الشکوک ج اوّل صفحہ ۲۹ تا ۳۶)